ربا کی حقیقت اور اسکے اطلاقات

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت پاکستان

ربا کا لغوی معنی

لغت میں ربا کے معنی زیادتی، بڑھوتری اور بلندی ہیں، علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ اصل مال پر زیادتی کو ربا کہتے ہیں اور زجاج نے کہا ہے کہ ربا کی دو قسمیں ہیں ایک ربا حرام ہے اور دوسرا حرام نہیں ہے۔ ربا حرام ہر وہ قرض ہے جس میں اصل رقم سے زیادہ وصول کیا جائے یا اصل رقم پر کوئی منفعت لی جائے اور ربا غیر حرام یہ ہے کہ کسی کو ہدیہ دے کر اس سے زیادہ لیا جائے (تاج العروس شرح القاموس ج ۱۰ ص ۱۴۳، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ)

علامہ عینی نے شرح المہذب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ربا کو الف، واؤ اور یا تینوں کے ساتھ لکھنا صحیح ہے یعنی ربا، ربو اور ربی (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ)

ربا کا اصطلاحی معنی

اصطلاح شرع میں ربا کی دو قسمیں ہیں، ربا النسیئہ (اس کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کو قرآن مجید نے حرام کیا ہے) اور ربا الفضل (اس کو ربا الحدیث بھی کہتے ہیں)، ربا الفضل یہ ہے کہ ایک جنس کی چیزوں میں دست بدست زیادتی کے عوض بیع ہو، مثلاً چار کلو گرام گندم کو نقد آٹھ کلو گرام گندم کے عوض فروخت کیا جائے۔ ربا الفضل کن چیزوں میں ہے اس میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے جس کو ان شاء اللہ ہم تفصیل سے بیان کریں گے۔ ربا النسیئہ یہ ہے کہ ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا یا اس پر نفع وصول کرنا آج کل دنیا میں جو سود رائج ہے اس پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ شریعت میں ربا بغیر عقد بیع کے

اصل مال پر زیادتی ہے اور ہمارے نزدیک ربا یہ ہے کہ مال کے بدلے مال میں جو مال بلا عوض لیا جائے مثلاً کوئی شخص دس درہم کو گیارہ درہم کے بدلے میں فروخت کرے تو اس میں ایک درہم زیادتی بلا عوض ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۹۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابن اثیر نے جو تعریف کی ہے وہ ربا النسیئہ پر صادق آتی ہے اور علامہ عینی نے جو تعریف کی ہے وہ ربا النسیئہ پر اس لیے صادق نہیں آتی کیونکہ اس میں ادھار کا ذکر نہیں ہے اور چونکہ اس میں مجانست کی قید نہیں ہے اس لیے ربا الفضل پر بھی صادق نہیں آتی۔

ربا النسیئہ کی صحیح اور واضح تعریف امام رازی نے کی ہے لکھتے ہیں: ربا النسیئہ زمانہ جاہلیت میں مشہور اور معروف تھا۔ وہ لوگ اس شرط پر قرض دیتے تھے کہ وہ اس کے عوض ہر ماہ (یا ہر سال) ایک معین رقم لیا کریں گے اور اصل رقم مقروض کے ذمہ باقی رہے گی۔ مدت پوری ہونے کے بعد قرض خواہ مقروض سے اصل رقم کا مطالبہ کرتا اور اگر مقروض اصل رقم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ مدت اور سود دونوں میں اضافہ کر دیتا یہ وہ ربا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت، الطبعۃ الثالثہ ۱۳۹۸ھ)

ربا الفضل کی تعریف اور اس کی علت کے متعلق مذاہب ائمہ

ربا الفضل یہ ہے کہ ایک مخصوص مال کو اس کی مثل سے نقد زیادتی کے ساتھ یا ادھار فروخت کیا جائے مثلاً پانچ کلو گرام گندم کو دس کلو گرام گندم کے عوض نقد فروخت کیا جائے یا پانچ کلو گرام گندم کے عوض ایک سال کے ادھار پر فروخت کیا جائے اس کو ربا الحدیث بھی کہتے ہیں کیونکہ امام مسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے عوض، گندم گندم کے عوض، جو جو کے عوض، کھجور کھجور کے عوض، نمک نمک کے عوض برابر برابر فروخت کرو اور نقد بہ نقد اور جب یہ اجناس مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو فروخت کرو بہ شرطیکہ نقد بہ نقد ہوں، اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے زیادہ لیا یا زیادہ دیا اس نے سود کا کاروبار کیا۔ دینے والا اور لینے والا دونوں برابر ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلہ میں اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ میں فروخت نہ کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶، ۲۵، ۲۴ مطبوعہ کراچی)

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے چھ چیزوں میں ربا الفضل کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے سونا، چاندی، گندم، جو، چھوارے اور نمک، غیر مقلدین کہتے ہیں ان چھ چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز میں کمی و زیادتی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے، کیونکہ وہ قیاس کے منکر ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء یہ کہتے

ہیں کہ حرمت کا یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جو چیزیں ان کے معنی میں شریک ہوں ان میں بھی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے پھر ان فقہا کا اس میں اختلاف ہے کہ ان چھ چیزوں میں حرمت ربا کی علت کیا ہے؟ امام شافعی نے کہا سونے اور چاندی میں علت حرمت ان کا جنس ثمن سے ہونا ہے اس لیے باقی وزنی چیزوں میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع حرام نہیں ہوگی، کیونکہ علت حرمت مشترک نہیں ہے، امام شافعی نے فرمایا باقی چار چیزوں میں علت حرمت کھانے کی جنس سے ہونا ہے سو ہر کھانے کی چیز میں تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہوگی، امام مالک کا قول سونے اور چاندی میں امام شافعی کی طرح ہے اور باقی چار چیزوں میں ان کے نزدیک علت حرمت خوراک کے لیے ذخیرہ ہونے کی صلاحیت ہے سو انہوں نے منقی میں تفاضل کو حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ گندم اور جو کی طرح اس کا بھی ذخیرہ کیا جاسکتا ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں علت وزن ہے اور باقی چار چیزوں میں علت ماپنا ہے پس ہر وہ چیز جس کی بیع وزن اور ماپنے سے ہوتی ہو اتحاد جنس کی صورت میں اس کی تفاضل کے ساتھ بیع حرام ہے، اور سعید بن مسیب، امام احمد اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ ان چار چیزوں میں علت حرمت، طعام یا وزن یا ماپ کے ساتھ فروخت ہونا ہے اس بناء پر کھانے پینے کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں جیسے انڈا وغیرہ ان میں تفاضل کے ساتھ بیع حرام نہیں ہے۔ نیز فقہا کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایک سود والی جنس کو دوسری سود والی جنس کے ساتھ کمی وبیشی اور ادھار کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے مثلاً سونے کی گندم کے بدلے میں یا چاندی کی جو کے بدلے میں کمی اور بیشی کے ساتھ بیع کی جائے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ایک سود والی جنس کی اپنی جنس کے ساتھ ادھار بیع جائز نہیں ہے اور سود والی جنس کی اپنی جنس کے بدلے میں تفاضل کے ساتھ نقد بیع بھی جائز نہیں ہے۔ مثلاً سونے کی سونے کے بدلے میں ادھار بیع جائز ہے نہ تفاضل کے ساتھ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲-۲۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولی)

امام ابو القاسم خرقی حنبلی لکھتے ہیں: ہر وہ چیز جو وزن یا ماپ کے ذریعہ فروخت کی جائے اس کی اس جنس کے بدلہ میں تفاضل سے بیع جائز نہیں ہے۔(۱) (اور یہی امام ابو حنیفہ کا نظریہ ہے)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں امام احمد سے دوسری روایت یہ منقول ہے کہ سونے اور چاندی میں حرمت کی علت ثمنیت ہے اور باقی چیزوں میں طعم حرمت کی علت ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے (المغنی ج ۴ ص ۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں امام احمد سے تیسری روایت یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ حرمت کی علت یہ ہے کہ وہ چیز جنس طعام سے ہو اور ماپ یا وزن سے بکتی ہو لہذا جو چیزیں عدداً

فروخت ہوتی ہیں ان کی کمی اور بیشی کے ساتھ بیع جائز ہوگی۔ (المغنی ج ۴ ص ۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ وشتانی لکھتے ہیں: امام مالک کے نزدیک سونے اور چاندی میں حرمت کی علت ثمنیت ہے اور باقی چار میں حرمت کی علت خوراک کا ذخیرہ ہونا یا خوراک کی صلاحیت ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

امام مالک کے مذہب پر نوٹ اور دوسرے سکوں میں سود کا ہونا بالکل واضح ہے، کیونکہ ان میں ثمنیت موجود ہے علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں ہمارے نزدیک حرمت کی علت قدر مع الجنس ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۷۰، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

ربا الفضل میں ائمہ کی بیان کردہ علت کا ایک جائزہ

ائمہ کرام نے احادیث مبارکہ کو سامنے رکھ کر حتی المقدور اس امر کی سعی اور کوشش فرمائی ہے کہ سود کے لیے کوئی اصول وضع کیا جاسکے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ احادیث میں جن چھ چیزوں (سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک) میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنے کو ربا فرمایا ہے ان میں حصر نہیں ہے بلکہ ان چیزوں کو بطور مثال ذکر کیا ہے۔ اس لیے ائمہ اور مجتہدین نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے ان چیزوں میں کوئی امر مشترک تلاش کر کے اس کو علت ربا قرار دیا ہے جیسا کہ مذکور الصدر تفصیل سے ظاہر ہو چکا ہے۔ ان بزرگوں نے نہایت کاوش کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مبارکہ کو سمجھا اور سمجھایا ہے، ہم نے جب ان احادیث پر غور کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵، مطبوعہ اصح المطابع کراچی) جب دو نوع مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو فروخت کرو اور جب ان میں اختلاف نہ ہو تو فرمایا مثلاً بمثل فروخت کرو اور مثل میں مساوات کا مطلب ہے قدر میں مساوات اور قدر وزن، کیل اور عدد تینوں کو شامل ہے جس طرح ایک کلو یا ایک صاع گندم دو کلو یا دو صاع گندم کے برابر نہیں، اسی طرح ایک درجن اخروٹ اور انڈے دو درجن اخروٹ اور انڈوں کی مثل اور برابر نہیں ہیں۔ یہ ایک بالکل بدیہی بات ہے اور اسمیں کوئی خفا نہیں ہے اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بھی وزناً کیلاً (ماپ کے ذریعہ) یا عدداً فروخت ہوتی ہیں خواہ وہ از قبیل ثمن ہوں یا از قبیل طعام ہوں یا عام استعمال کی چیزیں ہوں، لائق ذخیرہ ہوں یا نہ ہوں جب ان کی بیع مثلاً بمثل یعنی وزن، ماپ یا عدد کے اعتبار سے برابر اور یداً بید یعنی نقد کی جائے گی تو وہ جائز ہو گی اور اگر وزن، عدد یا ماپ میں زیادتی کے ساتھ یا ادھار بیع ہوگی تو ناجائز اور حرام ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ

سے حرمت ربا کے سلسلہ میں جتنی بھی احادیث روایت کی گئی ہیں سب میں مثلاً بمثل کی قید ہے اور فقہاء نے مثل کا معنی قدر کیا ہے اور قدر وزن، ماپ اور عدد تینوں کو شامل ہے یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آسکی کہ ایک کلو یا ایک صاع گندم تو دو کلو یا دو صاع گندم کے غیر مثل ہوں اور ایک درجن انڈے یا اخروٹ دو درجن انڈوں یا اخروٹوں کے غیر مثل نہ ہوں اس لیے مثل میں جس طرح وزنی اور ماپ والی چیزیں شامل ہیں اسی طرح عددی چیزیں بھی شامل ہیں اور اس پر سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے للذکر مثل حظ الانثیین (النساء:۱۱) مرد کے لیے عورتوں کی دو مثل (دوگنا) حصہ ہے۔ فرض کیجئے لڑکی کو ایک کلو چاندی ملتی ہے تو لڑکے کو دو کلو چاندی ملے گی، لڑکی کو ایک سو صاع گندم ملتی ہے تو لڑکے کو دو سو صاع گندم ملے گی اور اگر لڑکی کو ایک ہزار روپے ملتے ہیں تو لڑکے کو دو ہزار روپے ملیں گے اس سے معلوم ہوا کہ مثل، ماپ والی، وزنی، عددی ہر قسم کی مساوی چیز کو کہتے ہیں حدیث شریف میں ہے: امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دینار کو دو دینار ایک درہم کو دو درہم کے عوض فروخت نہ کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲، سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۷۸)

اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق جس طرح وزنی اور ماپ والی ایک نوع کی دو چیزوں میں زیادتی کے ساتھ بیع ربا ہے اسی طرح ایک نوع کی عددی چیزوں میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع ربا ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ایک نوع کی دو چیزیں خواہ وہ از قبیل طعام ہوں یا استعمال ہوں یا ثمن ہوں اگر ان کی بیع کمی یا زیادتی کے ساتھ ہو خواہ کمی یا زیادتی عدد میں ہو یا کیل میں ہو یا وزن میں ہو یا بیع ادھار میں ہو تو وہ ربا ہے اور اگر برابر اور نقد بیع ہو تو جائز اور صحیح ہے۔ ھذا ما عندی والعلم التام عند اللہ۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایک نوع کی ماپ اور تول والی چیزوں میں سود ہے، ان کے نزدیک علت ربا ماپ اور تول اور اشتراک جنس ہے وہ عددی چیزوں میں حرمت ربا کے قائل نہیں ہیں مثلاً سیب وزناً بکتا ہے اس لیے ایک کلو گرام سیب کو دو کلو گرام سیب کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود ہے اور کیلے عدداً فروخت ہوتے ہیں اس لیے ایک درجن کیلوں کو دو درجن کیلوں کے عوض فروخت کرنا ان کے نزدیک سود نہیں اور یہ انتہائی تعجب خیز امر ہے کہ سیب میں زیادتی کے ساتھ بیع سود ہو اور کیلوں میں زیادتی کے ساتھ بیع سود نہ ہو۔ بعض چیزوں میں عدداً اور وزناً فروخت ہونے کا عرف بدلتا رہتا ہے مثلاً پشاور میں پہلے روٹی تول کر فروخت ہوتی تھی اور اب عدداً فروخت ہوتی ہے اور اخروٹ تول

کر بھی بکتے ہیں اور عدداً بھی فروخت ہوتے ہیں یعنی آپ اگر عدداً اخروٹ خریدیں تو سو کے بدلے میں دو سو اخروٹ لے سکتے ہیں اور یہ سود نہیں ہے اور وزناً خریدیں تو ایک کلو کے بدلے میں دو کلو اخروٹ نہیں لے سکتے اور یہ سود ہے بعض شہروں میں مالٹے ایک ہی دکان پر عدداً بھی بکتے ہیں اور تول کر بھی اور یہ بڑی حیرت انگیز بات ہوگی کہ ایک ہی دکاندار سے ایک چیز کو وزناً زیادتی کے ساتھ لینا سود ہو اور عدداً لینا سود نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی توجیہ ہو لیکن میری ناقص فہم میں یہ بات نہیں آسکی۔ رہا یہ کہ بعض احادیث میں ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع کا جواز ہے تو اولاً تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ شارع ہیں جس کا چاہیں استثناء فرمادیں، اس لیے یہ حدیث خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے اپنے مورد میں بند رہے گی۔ ثانیاً ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ وجہ ہو کہ جس طرح دو غیر جاندار چیزوں میں عین کے لحاظ سے مساوات ہوتی ہے اس طرح دو جاندار چیزوں میں عیناً مساوات نہیں ہوتی اور صفات میں فرق ہوتا ہے مثلاً ایک غلام عالم ہو تو وہ دس جاہل غلاموں سے قیمتی ہوگا ایک گھوڑا اعلیٰ نسل کا ہو تو وہ ادنیٰ نسل کے دس گھوڑوں سے قیمتی ہوگا۔ اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ایک حیوان کی دو حیوانوں کے ساتھ بیع جائز فرمائی ہو اور آپ کی تمام حکمتوں کو کون جان سکتا ہے!

امام شافعی کے نزدیک حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے۔ لہٰذا تمام کھانے پینے کی چیزوں اور سونے اور چاندی میں ہم جنس چیزوں کی زیادتی کے ساتھ بیع ان کے نزدیک سود ہے لیکن جو چیزیں کھانے پینے کی اور ثمن نہ ہو مثلاً تانبا، پیتل، چونا، کپڑا اور لکڑی وغیرہ ان میں امام شافعی کے نزدیک ہم جنس اشیاء کی زیادتی کے ساتھ بیع سود نہیں ہے اور یہ عجیب و غریب بات ہے کہ ایک کلو چاندی کی دو کلو چاندی کے بدلہ میں بیع سود ہو اور ایک کلو تانبا یا پیتل کی دو کلو تانبے یا پیتل کے بدلہ میں بیع سود نہ ہو اور تانبا، پیتل، چونا اور کپڑے وغیرہ میں امام شافعی کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سود ہے اور کھانے پینے کی عددی اشیاء مثلاً انڈے اور اخروٹ میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک سود ہے۔

امام مالک کے نزدیک حرمت کی علت ثمن ہونا اور خوراک کا قابل ذخیرہ ہونا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تانبا، پیتل، لوہا، لکڑی اور دیگر عام استعمال کی اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان اشیاء میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا سود ہے۔

اور طعام کے علاوہ استعمال کی جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں جیسے پین، پنسل، ہتھیار، میز، کرسی، اور عام فرنیچر ان میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا امام مالک کے نزدیک بھی سود نہیں ہے۔ یعنی ایک

انڈے یا ایک اخروٹ کی دو انڈوں یا دو اخروٹوں کے بدلہ میں بیع کرنا امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک سود ہے لیکن ایک پین یا ایک بندوق کی دو پین یا دو بندوقوں کے بدلہ میں بیع کرنا امام کے نزدیک سود نہیں ہے اور یہ انتہائی عجیب بات ہے۔

ربا الفضل کی حرمت کا سبب

ربا الفضل اس زیادتی کو کہتے ہیں جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ربوا الفضل کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ اس سے ربا النسیہ کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے جس کا آخری ثمرہ سود خوری ہے۔ یہ حکمت رسول اللہ ﷺ نے خود بیان فرمائی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ایک دینار کو دو دیناروں کے عوض اور ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے میں نہ فروخت کرو مجھے خوف ہے کہ کہیں تم سود خوری میں جتلا نہ ہو جاؤ۔ علامہ علی متقی نے یہ حدیث طبرانی کے حوالے سے بیان کی ہے (کنز العمال ج ۴ ص ۱۸۷، ۱۱۷ مطبوعہ بیروت)

ظاہر ہے کہ ایک جنس کی دو چیزوں کی آپس میں بیع کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جبکہ اتحاد جنس کے باوجود ان کی قیمتیں مختلف ہوں۔ مثلاً چاول اور گندم کی ایک قسم کی دوسری قسم کے ساتھ بیع ہو یا سونے کی ایک قسم کی دوسری قسم کے ساتھ بیع ہو۔ ایک جنس کی مختلف اقسام کی چیزوں کا کمی و بیشی کے ساتھ تبادلہ کرنے سے اس ذہنیت کے پرورش پانے کا اندیشہ ہے۔ جو بالآخر سود خوری اور ناجائز نفع اندوزی تک جا پہنچتی ہے۔ اس لیے شریعت نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ ایک جنس کی مختلف اقسام کے باہمی تبادلہ کی اگر ضرورت ہو تو یا تو برابر مبادلہ کر لیا جائے اور ان کی قیمتوں میں جو فرق ہو اس کو نظر انداز کر دیا جائے یا ایک چیز کا دوسری چیز سے براہ راست تبادلہ کرنے کے بجائے ایک شخص اپنی چیز کو روپوں کے عوض بازار کے بھاؤ پر فروخت کرنے اور دوسرے شخص سے اس کی چیز بازار کے بھاؤ پر خریدے۔

گندم کی گندم کے بدلے میں بیع کو برابر برابر نقد ہو تو جائز کیا گیا ہے اور ادھار کو حرام کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً زید آج دس کلوگرام گندم فروخت کرتا ہے اور اس کے بدلے میں چھ ماہ بعد عمرو سے دس کلو گندم لیتا ہے تو یہ عین ممکن ہے کہ جس وقت زید گندم فروخت کر رہا ہے اس وقت گندم کی قیمت پانچ روپے فی کلو ہو اور جب عمرو اس کو اس کے بدلے میں گندم دے گا اس وقت اس گندم کی قیمت آٹھ روپیہ کلو ہو تو زید کو پچاس روپیہ کے بدلہ میں چھ ماہ بعد کی مدت کے عوض اسی روپے حاصل ہو گئے اور یہی سود ہے۔

نفع اور سود میں فرق

اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز کہا ہے اور سود کو ناجائز کہا ہے اور ان میں فرق بالکل واضح ہے ہم دکاندار سے پانچ روپیہ کی چیز چھ روپے میں بخوشی خرید لیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر چند کہ یہ چیز پانچ روپے کی ہے لیکن اس چیز پر دکاندار کی محنت، ذہانت اور وقت کا خرچ ہوا ہے اور اس ایک زائد روپے کو ہم اس کی ذہنی اور جسمانی محنت کا عوض قرار دیتے ہیں لیکن جب ایک شخص پانچ روپے پر ایک روپیہ سود لیتا ہے تو اس ایک روپیہ میں وقت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی جس کو اس ایک روپیہ کا بدل قرار دیا جا سکے اس لیے تجارت میں نفع لینا جائز ہے اور روپیہ پر سود لینا ناجائز ہے۔

بینک کے سود کے مجوزین کے دلائل

معیشت کے بعض جدید مفکرین یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ربا اس خاص سود کو کہا گیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ کوئی غریب شخص شادی، بیماری یا کفن دفن کی کسی نجی ضرورت میں کسی مہاجن سے قرض لیتا تھا اور کسی مصیبت زدہ شخص کی مدد کرنے کے بجائے اس سے قرض پر سود لینا بے شک ظلم اور سنگ دلی ہے اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس سود کو حرام کیا گیا ہے لیکن آج کل کا مروجہ سود اس سے بالکل مختلف ہے آج کل بینکوں سے غریب اور مصیبت زدہ شخص قرض نہیں لیتے بلکہ متمول اور سرمایہ دار تاجر اور صنعتکار قرض لیتے ہیں اور ان سے قرض کی رقم پر بینک جو سود وصول کرتا ہے وہ ان پر کوئی ظلم نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بینک کو چودہ فیصد سود ادا کرتے ہیں تو خود قرض کی رقم سے ساٹھ سے ستر فیصد تک کماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بینک سے قرض لے کر ایک کارخانہ لگاتے ہیں اور اس کارخانے سے پھر دوسرا اور تیسرا کارخانہ لگ جاتا ہے اس طرح تاجروں کی تجارت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر بینک کو وہ چودہ فی صد سود دیتے ہیں تو ان پر یہ کوئی بوجھ نہیں ہے۔ اور بینک میں روپیہ عام لوگوں کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اس لیے اگر بینک عام لوگوں کو سات آٹھ فیصد سود ادا کرے تو بینک پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔ سرمایہ دار اور بینک دونوں خوشی سے سود ادا کرتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں ہے اور چونکہ بینکوں میں عموماً غریب اور متوسط لوگ اپنی فاضل بچت کی رقمیں جمع کراتے ہیں تو سود کے ذریعہ ان کو سات فیصد منافع کا فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ غرضیکہ زمانہ جاہلیت کا ربا غریبوں سے سود لیتا تھا اور اس زمانہ کی ترقیاتی اسکیم بینکوں کے ذریعہ غریبوں کو سود دیتی ہے۔ وہ ربا غربا پر ظلم تھا اور یہ غریبوں کی خوشحالی اور مال کی ترقی کا سبب ہے اس لیے شخصی اور نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ناجائز ہونا چاہیے اور تجارتی قرضوں پر بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

بینک کے سود کے جائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ افراط زر کی وجہ سے روپے کی قدر (Value) دن بدن گرتی جارہی ہے اور اجناس کی قیمت بڑھتی جارہی ہے۔ اب سے انتیس سال پہلے (۱۹۶۶ء) میں سونا ایک سو روپیہ تولہ تھا، اصلی دیسی گھی پانچ روپیہ کلو، ڈالڈا دو روپیہ کلو، دیسی انڈا دو آنے کا، تنوری روٹی ایک آنے کی، دودھ آٹھ آنے کا اور ڈاک کا لفافہ چھ پیسے (ڈیڑھ آنے کا) ملتا تھا اور اب (۱۹۹۵ء) سونا تقریباً پانچ ہزار روپیہ تولہ، دیسی گھی ایک سو تیس روپیہ کلو، ڈالڈا گھی چالیس روپیہ کلو، دیسی انڈا تین روپیہ کا، تنوری روٹی ڈیڑھ روپیہ کی، دودھ اٹھارہ روپیہ کلو اور ڈاک کا لفافہ ڈیڑھ روپے کا ہو گیا۔ اس تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انتیس سال میں روپیہ کی قدر بارہ سے لے کر پچاس گنا (بچیس سو فیصد سے لے کر پانچ ہزار فیصد تک) گر گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے انتیس سال پہلے بینک میں سو روپیہ رکھوایا تھا اب اس کی قیمت دو چار روپیہ رہ گئی ہے اور اگر سونے کے بھاؤ سے تناسب کیا جائے تو اب ایک سو روپیہ تقریباً دو روپے کا رہ گیا ہے اگر اس سو روپیہ پر سال بہ سال بینک کا سود لگتا رہتا تو اس کی ساکھ کسی حد تک بحال رہتی اور جو لوگ بینک میں اپنی فاضل بچتوں کو جمع کراتے ہیں ان کا نقصان نہ ہوتا اس لیے بینک کا سود جائز ہونا چاہیے۔

مجوزین سود کے دلائل کے جوابات

اس سلسلہ میں پہلے یہ بات مان لینی چاہیے کہ قرآن مجید نے مطلقاً سود کو حرام کیا ہے خواہ نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ہو یا تجارتی قرضوں پر سود ہو، خواہ اس سود سے غریبوں کو نقصان ہو یا فائدہ، اللہ تعالیٰ نے امارت اور غربت کا فرق کیے بغیر سود کو علی الاطلاق حرام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

احل اللہ البیع و حرم الربو (البقرہ: ۲۷۵) اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

یا یھا الذین امنو اتقواللہ وذرو ما بقی من الربوان کنتم مؤمنین. فان لم تفعلو فاذنو ا بحرب من اللہ و رسولہ۔ (البقرہ: ۲۷۹-۲۷۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو (زمانہ جاہلیت کا) باقی ماندہ سود چھوڑ دو۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو!

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سود کو مطلقاً حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود مفرد کو بھی حرام کیا ہے اور لا تاکلو الربوا اضعافا مضاعفۃ (آل عمران: ۱۳۰) "دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ" فرما کر سود مرکب کو بھی حرام کیا ہے اور ہر جگہ مطلقاً سود کو حرام کیا ہے اور نجی اور کاروباری قرضوں کا فرق نہیں کیا۔ علاوہ

ازیں تاریخ اور حدیث سے ثابت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کاروباری قرضوں پر سود لینے کا بھی عام رواج تھا۔ ابن جریر "وذروا ما بقی من الربو" کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ وہ سود تھا جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں لوگ خرید و فروخت کرتے تھے۔

علامہ سیوطی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ سدی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت حضرت عباس بن عبدالمطلب اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہ دونوں زمانہ جاہلیت میں شریک تھے اور انہوں نے ثقیف کے بنو عمرو بن عمیر میں لوگوں کو سودی قرض پر مال دے رکھے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان دونوں کا بڑا سرمایہ سود میں لگا ہوا تھا۔ (در منثور ج ا ص ۳۶۶، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۱۴ھ)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بڑے بڑے تاجر خوردہ فروشوں کے ہاتھ ادھار پر مال فروخت کرتے تھے اور اس پر سود لگاتے تھے اور اس سے واضح ہو گیا کہ زمانہ جاہلیت میں کاروباری اور تجارتی قرضوں پر سود لگانے کا عام رواج تھا اور اس کو الربٰو کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے عموم کے صیغہ سے سود کی ممانعت کی ہے خواہ وہ سود نجی قرضوں پر ہو یا تجارتی قرضوں پر۔

رہا دوسرا اعتراض کہ بینک کے سود کے ناجائز قرار دینے کی بناء پر افراط زر کی وجہ سے روپیہ کی قدر گر جاتی ہے اگر بینک سے سود نہ لیا جائے تو بیس بائیس سال میں بینک میں رکھوایا ہوا ایک سو روپیہ سوا تین روپیہ کا رہ جائے گا۔ اور یہ نقصان بینک سے سود نہ لینے کی وجہ سے ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کے منع کردہ کام سے بچنے کی وجہ سے اگر ہمیں کوئی مادی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں اس کو خوشی سے گوارا کرنا چاہیے۔ مسلمان کے نزدیک نفع اور نقصان کا معیار دنیاوی اور مادی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اخروی اور معنوی اعتبار سے ہے۔ دنیاوی اور مادی اعتبار سے زکوٰۃ، قربانی اور حج کے لیے زر کثیر خرچ کرنا بھی مال کا ضیاع اور نقصان ہے تو کیا اس مادی نقطہ نظر سے ان تمام مالی عبادات کو خیر باد کہہ دیا جائے گا؟ اور جب مسلمان مالی عبادات کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو سود کھا کر اللہ اور رسول سے اعلان جنگ کے لیے کیسے تیار ہو سکتے ہیں؟ ایک سچے مسلمان کے نزدیک سود چھوڑنے کی وجہ سے روپے کی قدر کا کم ہو جانا خسارہ نہیں ہے بلکہ اصل خسارہ یہ ہے کہ سود لینے کی وجہ سے آخرت برباد ہو جائے!

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نقصان دراصل ہماری ایک اجتماعی تقصیر کی سزا ہے اور وہ

یہ ہے کہ ہم نے اسلامی طریقہ مضاربت کو رواج نہیں دیا، کرنا یہ چاہیے کہ لوگ اپنے روپے کو بینک کی معرفت کاروبار میں لگائیں اور بینک ان کا روپیہ امانت رکھنے کے بجائے ان سے ایک عام شراکت نامہ طے کرے اور ایسے تمام اموال کو مختلف قسم کے تجارتی، صنعتی، زراعتی یا دوسرے ان جائز کاروبار میں جو بینک کے دائرۂ عمل میں آسکتے ہوں لگائے اور اس مجموعی کاروبار سے جو منافع حاصل ہو، اسے ایک طے شدہ نسبت کے ساتھ ان لوگوں میں اسی طرح تقسیم کرے، جس طرح خود بینک کے حصہ داروں میں منافع تقسیم ہوتا ہے۔

افراطِ زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا حل

ڈالر، ین، پونڈ اور ریال وغیرہ مستحکم کرنسی ہیں اور عرف اور تعامل سے یہ مقرر اور ثابت ہے کہ ان کی قدر برقرار رہتی ہے، پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور دیگر پس ماندہ ممالک کی طرح افراطِ زر کے نتیجہ میں وقت گزرنے کے ساتھ ان کی قدر میں کمی نہیں ہوتی، سو جو شخص چار، پانچ سال یا زائد عرصہ کے لیے بینک میں اپنا پیسہ رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی رقم کو ڈالرز یا کسی اور مستحکم کرنسی میں منتقل کر کے ان بینکوں میں اپنی رقم رکھے جو غیر ملکی کرنسی میں بھی اکاؤنٹ کھولتے ہیں اسی طرح جو شخص کسی طرح دوسرے شخص کو ملکی کرنسی میں مثلاً ایک ہزار روپے قرض دیتا ہے اور وہ شخص اس کو دس سال بعد ایک ہزار روپے واپس کرتا ہے تو دس سال کے بعد اس ایک ہزار روپے کی قدر ایک سو روپے رہ جائے گی اس ضرر سے بچنے کا بھی یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنی رقم کو ڈالر میں منتقل کر کے قرض دے اور جتنے ڈالر دیئے تھے اتنے ہی واپس لے لے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے ملکی کرنسی میں رقم قرض دی تھی اور مثلاً دس سال بعد اس کی قدر کم ہوگئی تو وہ اب بھی دس سال پہلے کی ملکی کرنسی جتنے ڈالر کے مساوی تھی، دس سال بعد اتنی ملکی کرنسی واپس لے سکتا ہے مثلاً پہلے ایک ہزار روپے جتنے ڈالر کے مساوی تھے دس سال بعد اگر اتنے ڈالر کے دس ہزار روپے بنتے ہیں تو وہ دس ہزار روپے لے سکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ بہر حال ایک ہزار روپے دے کر دس ہزار روپے لے رہا ہے اور معنوی طور پر خواہ ان کی قدر برابر ہو لیکن یہ صورۃً اصل رقم سے زائد لینا ہے اور ظاہری اور صوری طور پر اس کے سود ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، نیز چونکہ یہ پہلے سے طے نہیں کیا گیا اس لیے یہ موجب نزاع بھی ہے، افراطِ زر سے بچنے کے لیے ملکی کرنسی کو سونے چاندی سے بدل کر قرض دینا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ سونے چاندی میں ادھار جائز نہیں ہے۔

حضور ﷺ پر جادو کیئے جانے کی حقیقت

مولانا امین احسن اصلاحی

یہ سورہ (الفلق) کسی شان نزول کی محتاج تو نہیں ہے لیکن اس کے تحت لوگوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی ﷺ پر العیاذ باللہ کچھ یہودیوں نے ایک زمانہ میں جادو کر دیا تھا جس سے آپ بیمار ہو گئے تو آپ کو یہ سورہ سکھائی گئی اور آپ اس جادو کے اثرات بد سے محفوظ ہوئے۔ اگرچہ دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ اس جادو کا کوئی اثر آپ کے فرائض نبوت پر نہیں پڑا لیکن ساتھ ہی نہایت سادہ لوحی سے یہ اعتراف بھی کر لیا گیا ہے کہ اس کا اثر حضور ﷺ پر یہ پڑا کہ آپ بھولتے جارہے تھے کسی کام کے متعلق خیال فرماتے کہ کر لیا ہے لیکن نہیں کیا ہوتا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کے متعلق خیال فرماتے کہ ان کے پاس گئے ہیں لیکن نہیں گئے ہوتے، بعض اوقات اپنی نظر پر بھی شبہ ہوتا کہ ایک چیز کو دیکھا ہے مگر نہیں دیکھا ہوتا۔ ان حضرات کے بیان کے مطابق حضور ﷺ کی یہ حالت گھنٹے دو گھنٹے یا دن دو دن نہیں بلکہ پورے چھ ماہ رہی۔ اب سوال یہ ہے کہ جب پورے چھ ماہ آپ پر العیاذ باللہ، تعطل دماغ کی یہ کیفیت طاری رہی تو کیا یہ امکان مستبعد قرار دیا جا سکتا ہے کہ العیاذ باللہ آپ نے خیال فرمایا ہو کہ نماز پڑھ لی ہے لیکن نہ پڑھی ہو یا یہ کہ نازل شدہ وحی کاتبین وحی کو لکھوا دی ہے حالانکہ نہ لکھوائی ہو یا یہ کہ جبرائیل امین علیہ السلام کو دیکھا ہے حالانکہ نہ دیکھا ہو؟ ان امکانات کو کس دلیل سے آپ رد کر سکتے ہیں؟ اگر کوئی کہے کہ اس طرح کی کوئی بات روایات میں نہیں ملتی تو ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ روایات میں تمام جزئیات کہاں بیان ہو سکتی ہیں۔ لیکن ایک ایسے شخص سے جس کی ذہنی حالت آپ کے بیان کے مطابق وہ ہے جو مذکور ہوئی تو اس سے ان باتوں کا صادر ہونا تعجب انگیز نہیں بلکہ نہ صادر ہونا تعجب انگیز ہے۔

میرے نزدیک اس شان نزول کو رد کرنے کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ یہ اس مسلمہ عقیدے کے بالکل منافی ہے جو قرآن نے انبیاء کرام سے متعلق ہمیں تعلیم کیا ہے۔ عصمت، حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) کی ان خصوصیات میں سے ہے جو کسی وقت بھی ان سے منفک نہیں ہوسکتیں۔ اس عصمت کو اس امر سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ نبی کے دندان مبارک شہید ہو گئے یا وہ زخمی ہو گیا یا وہ قتل کر دیا گیا۔ ان میں سے کوئی چیز بھی اس کی نبوت میں قادح نہیں ہے۔ کہ اس کو آپ اس امر کی دلیل بنائیں کہ جب نبی ان چیزوں میں مبتلا ہوسکتا ہے تو مسحور بھی ہوسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو کردہ اور نا کردہ ، دیدہ اور نا دیدہ میں کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے شیطانی تصرفات سے اپنے نبیوں کو محفوظ رکھا ہے اور ان کی یہ محفوظیت دین کے تحفظ کے لیئے ناگزیر ہے۔ یہ محفوظیت ہی نبی کے ہر قول و فعل کو سند بناتی ہے۔ پورا قرآن انبیاء کی عصمت پر گواہ ہے اور ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ان کی عصمت پر ایمان رکھے۔

شان نزول کے اس واقعے کو اگر روایت کے اصولوں پر جانچا جائے تو اس میں نمایاں ضعف موجود ہے، صحاح کی ایک روایت میں رنگ آمیزی کرنے کے لیئے تیسرے درجے کی ضعیف و موضوع روایتوں کا سہارا لیا گیا ہے اور اس کو ایک امر واقعہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ روایت صحاح میں سے صرف بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ، مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور ابن ماجہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لی ہے اور سند کے تیسرے واسطہ تک یہ خبر واحد ہی رہی ہے۔ حتیٰ کہ بخاری کی ایک روایت، میں سفیان بن عینیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ میں نے اسے ابن جریج سے بالکل پہلی مرتبہ سنا۔ گویا اس واقعہ نے نبی ﷺ کے وصال کے سو سال بعد شہرت پائی۔ اس سے پہلے اس کا علم صرف بعض افراد تک محدود رہا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ العیاذ باللہ اگر حضور اکرم ﷺ چھ ماہ تک مسحور رہے ہوتے تو یہ واقعہ اتنا غیر معمولی تھا کہ صدر اول ہی میں اس کا چرچا ہو جاتا اور یہ روایت ایک متواتر روایت کی حیثیت سے ہم تک پہنچتی۔

صحاح کی کسی روایت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر یہ جادو ہوا تو حضور ﷺ پر اس کا اثر کتنا عرصہ رہا۔ اس کے برعکس ان تینوں کتابوں کی متفق علیہ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حتیٰ اذا کان ذات یوم او ذات لیلۃ دعا رسول اللہ ﷺ ثم دعا ثم دعا ۔ (یہاں تک کہ جب ایک دن یا ایک رات گزر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے پے در پے دعا کی) اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس کا کوئی اثر آپ کی قوت متخیلہ پر پڑا بھی تو وہ چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں رہا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے بار بار دعا کی اور یہ اثر جاتا رہا۔ اگر ایسا ہوا تو یہ بالکل اسی قسم کی بات ہوئی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کی رسیوں اور

لاٹھیوں کو سانپ سمجھ لیا اور وقتی طور پر گھبرا گئے۔ اس طرح کی کیفیات تھوڑی دیر کے لیئے طاری ہو جانا ناممکن نہیں ہوتا۔ یہ کیفیات بطور امتحان بھی نبی کو پیش آسکتی ہیں لیکن ہوتی یہ وقتی اور عارضی ہیں تا کہ نبی کی عصمت مجروح نہ ہو۔

یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ صحاح میں نہ اس واقعہ کو سورہ کے شان نزول کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور نہ یہ بتایا گیا ہے کہ معوذتین کی آیات پڑھ پڑھ کر حضور ﷺ نے کسی تانت کی گرہیں کھولیں۔ یہ چیز واضح کرتی ہے کہ محدثین نے اس واقعہ کو سورۂ فلق سے متعلق نہیں مانا۔ یہ بعد والوں کی ذہانت ہے کہ وہ اس روایت کو معوذتین کے ذیل میں لے آئے۔ حالانکہ جیسا کہ سورۂ فلق کی تفسیر سے واضح ہوا اور آگے سورۂ ناس کی تفسیر سے واضح ہوگا، ان کا مضمون اس سے ابا (انکار) کرتا ہے کہ ان کے نزول کو کسی مجہول جادوگر کے کسی شیطانی عمل کا نتیجہ قرار دیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ پر جادو کیے جانے کی حقیقت۔۔۔ اشکالات کا تجزیہ

پروفیسر محمد اکرم ورک
شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج قلعہ دیدار سنگھ، گوجرانوالہ

کفار مکہ اور دیگر معترضین نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت پر جو مختلف اعتراضات کئے ہیں ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ آپ ﷺ ایک جادو زدہ شخص ہیں اور یہ کہ مسلمان ایک ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہیں جس پر جادو کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو کھلی گمراہی قرار دیتے ہوئے رد فرمایا ہے۔(1)

جبکہ دوسری طرف بعض صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ پر جادو کیا گیا تھا اور ایک عرصہ تک آپ ﷺ پر اس کا اثر بھی رہا۔ چونکہ یہاں قرآن و حدیث میں بظاہر تعارض ہے اور خود آپ ﷺ کی شخصیت کے بارے میں کئی طرح کے سوالات سامنے آتے ہیں، اس لئے اس بارے میں متقدمین اور متاخرین علماء میں ہمیشہ یہ اختلاف رہا ہے کہ آیا آپ ﷺ پر جادو کا اثر پذیر ہونا حق ہے یا باطل؟۔ ذیل کی سطور میں ہم اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کریں گے، لیکن اس سے پہلے آپ حدیث کا مکمل متن ملاحظہ فرمائیں جس میں آپ ﷺ پر جادو کئے جانے کا تفصیلی بیان ہے۔ حضرت عائشہؓ (م ۵۷ھ) بیان فرماتی ہیں:

"سحر رسول الله ﷺ حتى انه ليخيّل اليه انه يفعل الشيء، وما فعله، حتى اذا كان ذات يوم وهو عندي دعا الله ودعاه ثم قال

ﷺ: "أشعرت يا عائشةؓ ان الله قد أفتاني فيما استفتيته فيه؟" قلت: وما ذاك يا رسول الله ﷺ؟ قال ﷺ: "جاءني رجلان فجلس احدهما عند رأسي، والآخر عند رجلي ثم قال احدهما لصاحبه: ما وجع الرجل؟ قال: مطبوبٌ، قال: ومن طبّه؟ قال: لبيد بن الأعصم اليهودي من بني زريق، قال: فيما ذا؟ قال: في مشط ومشاطة وجف طلعة ذكر، قال: فأين هو؟ قال: في بئر ذي أروان" قال: فذهب النبي ﷺ في اناس من اصحابه الى البئر فنظر اليها وعليها نخل، ثم رجع الى عائشةؓ، فقال ﷺ: "والله لكأنّ ماءها نقاعة الحنّاء، ولكأنّ نخلها رؤس الشياطين"، قلت: يا رسول الله ﷺ، أفأخرجته؟ قال ﷺ: "لا، أما أنا فقد عافاني الله وشفاني وخشيت أن أثور على الناس منه شرًا"، وأمر بها فدفنت"(2)

" رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا آپ ﷺ کو خیال ہوتا کہ آپ ﷺ نے ایک کام کرلیا ہے حالانکہ نہ کیا ہوتا۔ ایک دن آپ ﷺ میرے پاس تھے، آپ ﷺ نے اللہ کو پکارا، اللہ نے آپ ﷺ کی دعا قبول کی پھر فرمانے لگے، عائشہ! تجھ کو معلوم ہوا اللہ سے جو بات میں نے پوچھی تھی وہ اللہ نے مجھ کو بتلا دی، میں نے کہا: فرمایئے تو کیا بات تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس دو فرشتے آئے ایک تو میرے سرہانے بیٹھا اور ایک میرے پاؤں کے پاس، سرہانے والے نے پائینتی والے سے پوچھا: ان صاحب کو کیا عارضہ ہے؟ اس نے کہا: (عارضہ نہیں) ان پر جادو کیا گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: لبید بن اعصم یہودی نے جو بنی زریق کا ہے۔ پہلے نے پوچھا: کس چیز میں جادو کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: کنگھی اور بالوں اور کھجور کے غلاف میں۔ پہلے نے پوچھا: یہ سامان کہاں رکھا ہے؟ دوسرے نے کہا: ذی اروان کے کنویں میں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی ﷺ اپنے کئی اصحاب کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لے گئے اس کو دیکھا وہاں کھجور کے درخت بھی تھے۔ جب لوٹ

کر آئے تو مجھ سے فرمایا، عائشہؓ خدا کی قسم اس کا پانی ایسا رنگین تھا جیسے مہندی کا پانی اور کھجور کے درخت کیا تھے گویا سانپوں کے پھن (یا شیطانوں کے سر) میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے وہ کنگھی، بال وغیرہ (غلاف سے) نکلوائے؟ (یا نہیں) ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ سن لے اللہ نے مجھ کو شفا دی، تندرست کر دیا اب میں ڈرا کہیں لوگوں میں شور نہ پھیلے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سامان کے گاڑ دینے کا حکم دیا اور وہ گاڑ دیا گیا۔"

اعتراضات و اشکالات

محدثین، مفسرین اور سیرت نگاروں کی اکثریت کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جادو کا اثر ایسے ہی ہوا جیسے آپ ﷺ کو بیماری اور دیگر انسانی عوارض لاحق ہوتے تھے جبکہ جادو کا کوئی اثر آپ ﷺ کی عقل پر نہیں ہوا۔ کچھ محدثین نے مسلم اور بخاری کی ان روایات کی توثیق کی ہے جن میں نبی ﷺ پر جادو کی اثر پذیری کا بیان ہے۔ جن اہل علم نے ان احادیث پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے ان میں امام ابو بکر جصاصؒ (م ۳۷۰ھ) (3)، امام فخر الدین رازیؒ (م ۶۰۶ھ) (4)، جبکہ متاخرین میں سے سید قطب شہیدؒ (م ۱۹۶۶ء) (5) علامہ حبیب الرحمن کاندھلویؒ (م ۱۹۹۱ء) (6) شبیر احمد ازہر میرٹھیؒ (م ۲۰۰۵ء) (7) قابل ذکر ہیں۔

غلام احمد پرویز (م ۱۹۸۵ء) (8) اور ڈاکٹر شبیر احمد نے ایسی حدیث کو قرآن مجید کی آیات (۱۷/۴۷ اور ۸/۲۵) سے متصادم گردانتے ہوئے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ (9) طوالت سے بچتے ہوئے ہم نے ان تمام اہل علم کے زیر بحث موضوع پر اعتراضات نقل کرنے سے اجتناب کیا ہے، تاہم سرسید احمد خانؒ (م ۱۸۹۸ء) نے زیر بحث موضوع سے متعلق احادیث پر تنقید کرتے ہوئے جو اعتراضات کئے ہیں اس میں ان تمام حضرات کی نمائندگی ہو جاتی ہے اس لئے یہاں ہم صرف سرسیدؒ کے الفاظ نقل کرنے پر ہی اکتفاء کریں گے۔ سرسیدؒ اس نوع کی احادیث پر اعتراضات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر ہم یہ کہیں کہ نعوذ باللہ جناب پیغمبر خدا ﷺ کی ذات مبارک پر باوصف اس قدر تقدس و طہارت ہونے کے جادو ہو جاتا تھا تو ہم اس بات پر کیونکر یقین کریں کہ کونسی بات انہوں نے جادو ہونے کی حالت میں فرمائی ہے؟ اور کون سی جادو اتری ہوئی حالت میں فرمائی ہے؟ تو ہمارے زمانے کے عالم فرماتے ہیں

کہ یہ دوسرا کفر بکا، مگر کچھ ہی ہو، ہم تو یقین نہیں کرتے کہ آنحضرت ﷺ پر جادو ہوا تھا۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"لوگ کہتے ہیں کہ جناب سرور انبیاء، پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ ﷺ پر جادو کر دیا گیا تھا۔ خدا فرماتا ہے:

﴿اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (۱۷/۴۷)﴾ "کافر آپس میں کہتے ہیں کہ تم تو صرف ایک شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر سحر کر دیا گیا ہے۔" یہی بات فرعون نے موسیٰؑ سے کہی تھی: ﴿فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا (۱۷/۱۰۱)﴾ پس قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافر ہو جو یہ کہے کہ پیغمبر پر جادو کر دیا گیا تھا۔ مگر اس زمانے کا باوا آدم ہی نرالا ہے، اب بڑے بڑے عالم یہ کہتے ہیں کہ جو یہ نہ کہے اور اس پر یقین نہ کرے کہ آنحضرت ﷺ پر جادو کر دیا گیا تھا، تو وہ کافر ہے۔ زمانہ الٹ گیا ہے، سچ ہے: "والدھر بالناس قلب"۔ (10)

مندرجہ بالا سطور میں جن اہل علم کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کے اعتراضات سے بنیادی طور پر دو نکات ہی سامنے آتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

ایک، کفار کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ انبیاء کو یا تو جادوگر کہتے تھے یا جادو زدہ (مسحور) کہتے تھے۔ اگر ہم خود ہی نبی ﷺ پر جادو اور اس کی اثر پذیری کو تسلیم کر لیں تو اس سے کفار کی تائید خود بخود ہو جائے گی، لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ انبیاء پر جادو کا کبھی کوئی اثر نہیں ہوا۔

دوسرا، یہ کہ اگر نبی ﷺ پر جادو کا اثر تسلیم کر لیا جائے تو اس سے شریعت کی ساری بنیادیں ہی منہدم ہو جاتی ہیں، نہ معلوم نبی نے کون سی بات وحی کے زیر اثر کہی اور کون سی بات جادو کے زیر اثر؟۔

توضیحات

اب ہم ان اشکالات کا دلائل کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔

سب سے پہلے تو ہم اس اشکال کا جائزہ لیں گے کہ اگر نبی ﷺ پر جادو اور اس کی اثر پذیری کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے کفار کے اس قول کی تائید خود بخود ہو جاتی ہے جو وہ مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: ﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (۱۷/۴۷)﴾ "تم تو صرف ایک ایسے شخص

کی پیروی کرتے ہو جس پر سحر کر دیا گیا ہے۔"

اس اعتراض کا تجزیہ کرنے سے پہلے یہاں ہم ایک اصولی بات کی طرف توجہ دلائیں گے کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام انبیاء حضرت آدمؑ کی اولاد اور نوع انسانی ہی کے ایک فرد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے بتقاضہ بشریت ان کو بھی وہ عوارض لاحق ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی دوسرے انسانوں کی طرح بیمار ہوئے، زخمی ہوئے، گھوڑے سے گر کر چوٹ بھی لگی، عین حالت نماز میں بچھو نے کاٹ لیا۔ جب آپ ﷺ کا ان تمام عوارضات سے دوچار ہونا تاریخی حقیقت ہے تو جادو کے زیر اثر آپ ﷺ کا بیمار ہونا بھی عجیب بات نہیں ہے، جبکہ انبیاء کرام پر جادو کا اثر پذیر ہونا خود قرآن سے ثابت ہے۔

فرعون کے جادوگروں نے جب ہزار ہا لوگوں کے مجمع میں اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں تو وہ سانپ بن کر دوڑنے لگیں اور جادوگروں نے پورے مجمع کی آنکھوں میں جادو کر دیا قرآن مجید میں ہے:

﴿سحروا اعین الناس﴾ (الاعراف۔۷:۱۱٦)

"تو انہوں نے لوگوں کی آنکھوں کو مسحور کر دیا۔"

اس جادو کا اثر موسیٰؑ پر بھی ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان کو تسلی دی:

﴿فاوجس فی نفسه خیفة موسیٰ قلنا لاتخف انك انت الاعلیٰ والق مافی یمینك﴾ (طٰہٰ۔۲۰:٦۹)

"موسیٰؑ اپنے دل میں ڈر گئے تو ہم نے بذریعہ وحی کہا: اے موسیٰ! ڈرو مت تم ہی غالب رہو گے، اور تم ڈال دو جو (عصا) تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

کافروں کی ہر بات کو رد کرنا دانش مندی نہیں اگر اسی اصول کو پیش نظر رکھا جائے تو پھر حضور پر ان کے اس اعتراض کا جواب کیا ہوگا۔ جب وہ کہا کرتے تھے:

﴿مال هذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق﴾ (الفرقان۔۲۵:۷)

"اس رسول ﷺ کو دیکھو اسے کیا ہو گیا کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔"

کیا ان کی اس بات کو غلط قرار دیا جائے گا؟ بات صرف اس قدر ہے کہ نادان اور کم فہم لوگ انبیاء کرام کی طرف ہر وہ چیز منسوب کر دیا کرتے تھے جسے وہ سمجھتے تھے کہ یہ ان کی رسالت وصداقت میں

نقص کا باعث ہے۔ خواہ وہ چیز واقعتاً حق ہی کیوں نہ ہوتی، جیسا کہ ان لوگوں نے جادو کو رسالت کے لئے باعث نقص سمجھ لیا، ورنہ اس بات میں کسے شبہ ہے کہ کفار کا "ان تتبعون الا رجلا مسحورا" کہنے سے یہ مطلب نہ تھا کہ حضور ﷺ پر چند دن جادو کا اثر رہا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شفاء یاب کر کے آپ ﷺ کی وحی اور دین کو اس بات سے محفوظ کر دیا کہ اس میں کسی قسم کی غلطی کا امکان باقی ہو۔ بلکہ ان کی مراد اس سے یہ تھی کہ جس قرآن کو یہ رسول لے کر آیا ہے، نہ وہ اللہ کا کلام ہے اور نہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے، بلکہ وہ ہذیان، بڑبڑاہٹ اور عقل کے فتور کا نتیجہ ہے۔ یقیناً یہی ان کی مراد ہے اور اس بات میں یقیناً وہ جھوٹے تھے۔ جو چیز حدیث سے ثابت ہوتی ہے وہ مشرکین کے قول سے ثابت نہیں ہوتی اور جو ان کے قول سے ثابت ہوتی ہے وہ حدیث سے ثابت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب دونوں کا مقصد جدا ہے تو ایک سے دوسرے کی موافقت وتصدیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ پر جادو کا واقعہ فتح خیبر ۷ھ کے بعد پیش آیا۔ وہ لوگ جو قوم یہود کی نفسیات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر کثرت کے ساتھ اپنی نعمتوں کا نزول فرمایا تھا اور ان کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے نہ صرف واضح معجزات کے باوجود کفر وشرک کی راہ اختیار کی بلکہ انبیاء کرام کے قتل سے باز نہ آئے۔ چنانچہ ان بدبختوں نے حضرت زکریاؑ، ان کے بیٹے یحییٰؑ اور دیگر کئی انبیاء کرامؑ کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا، پھر انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کا دعویٰ کیا، اگرچہ قرآن مجید نے یہود کے دعویٰ کو رد کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم﴾ (النساء۔٤:۱۵۷)

"اور نہ وہ آپ کو قتل کر سکے اور نہ ہی آپ کو سولی چڑھا سکے۔"

بالآخر اپنی بدکرداریوں کی بدولت یہ قوم اللہ کی ناپسندیدہ ٹھہری۔ ہجرت مدینہ کے بعد بھی ان لوگوں نے اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے خلاف ہر موقع پر اپنے خبث باطن کا کھل کر اظہار کیا۔ ایک موقع پر جب آپ ﷺ کسی تصفیہ طلب مسئلہ کے لئے ان کے ہاں تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے آپ ﷺ کو ایک مکان کی چھت سے پتھر گرا کر قتل کرنے کی کوشش بھی کی تھی، لیکن آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش سے قبل از وقت آگاہ فرما دیا لہٰذا آپ ﷺ محض اللہ کے فضل سے محفوظ رہے۔ (11)

غزوۂ خیبر میں ذلت آمیز شکست کے بعد ان لوگوں کا انتقام دوچند ہو گیا۔ خیبر میں ہی ایک یہودیہ نے کھانے کی دعوت میں زہر آلود گوشت کے ذریعہ آپ ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی، لیکن اللہ نے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا۔ تاہم اس زہر کا اثر باقی رہا اور بعض روایات کے مطابق زہر کے اسی اثر کے

لوٹ آنے کی وجہ سے آپ ﷺ کا وصال ہوا۔ امام ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

"واحتجم رسول الله ﷺ على كاهله، من أجل الذى أكل من الشاة (حجمه ابو هند بالقرن والشفرة) وبقى بعد ذالك ثلاث سنين، حتى كان وجعه الذى توفى فيه، فقال: مازلت أجد من الأكلة التى أكلت من الشاة يوم خيبر، حتى كان هذا أوان انقطاع الأبهر منى فتوفى رسول الله ﷺ شهيدا"(12)

"نبی ﷺ نے اپنے کندھے پر سینگی لگوائی، کیونکہ آپ ﷺ نے بکری کا زہریلا گوشت کھایا تھا۔ (آپ ﷺ کو ابو ہند نے قرن اور شفرہ کے مقام پر سینگی لگائی تھی) اس کے بعد آپ ﷺ تین سال زندہ رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کو وہ تکلیف لاحق ہوئی جس میں آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خیبر کے موقع پر جو گوشت کھایا تھا، اس کا اثر مجھے محسوس ہوتا رہا ہے اور اب مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری رگ کاٹی جا رہی ہو۔ چنانچہ نبی ﷺ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی۔"

لبید بن اعصم اور اس کی بیٹیوں نے آپ ﷺ کو جادو کے ذریعہ جو نقصان پہنچانے کی کوشش کی یہ دراصل ان کی انہیں سابقہ کوششوں کا تسلسل تھا لیکن جلد ہی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس پریشانی سے نجات عطا فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ پر جادو کی اثر پذیری کا واقعہ کئی حوالوں سے آپ ﷺ کی صداقت اور نبوت کی دلیل ہے، ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"وقع فى مرسل عبدالرحمنؒ بن كعب عند ابن سعد فقالت أخت لبيد بن الأعصم: أن يكون نبيا فسيخبر و الافسيذهله هذا السحر حتى يذهب عقله"(13)

"عبدالرحمن بن کعب کہتے ہیں کہ لبید بن اعصم (یہودی جس نے جادو کیا تھا) اس کی بہن نے کہا: اگر یہ نبی ﷺ ہوگا تو اسے خدا کی طرف سے اطلاع مل جائے گی (کہ فلاں نے جادو کیا، فلاں شے میں کیا اور فلاں جگہ دفن کیا) اور اگر نبی نہ ہوا تو یہ جادو اس کی عقل کو نقصان پہنچائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی عقل کو لے جائے گا۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو تمام صورت حال سے آگاہ فرما دیا جیسا کہ اس موضوع کی کثیر روایات سے واضح ہوتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے یہ واقعہ آپ ﷺ کی صداقت اور نبوت کی واضح دلیل ہے۔ اور یہ بالکل ایسے ہے جیسے غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ کو زہر دینے والی یہودیہ عورت نے کہا تھا۔ کہ اگر یہ نبی ہوگا تو اس کو زہر نقصان نہیں دے گا یعنی اس سے ہلاک نہیں ہوگا۔ ورنہ بدنی تکلیف آپ ﷺ کو بہت ہوئی اور ہمیشہ رہی یہاں تک کہ آخر آپ ﷺ نے اسی سے وفات پائی مگر چونکہ یہ وفات آپ ﷺ کے خلاف معمول معجزانہ رنگ میں تھی، کیونکہ زہر کا اثر اس وقت ظاہر ہوا جب کئی سالوں بعد نبوت کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ نیز اسی گوشت نے آپ ﷺ کو خبر دی جس میں زہر ملایا گیا تھا۔ لہٰذا جیسے یہ واقعہ آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے ایسے ہی جادو کا واقعہ بھی آپ ﷺ کی نبوت اور سچائی کی دلیل ہے۔

حدیث سحر پر ایک اور پہلو سے بھی غور کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اس واقعے میں عقیدۂ توحید کو ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک رکھنے کا نصیحت آمیز پہلو بھی موجود ہے جو یقیناً مسلمانوں کی ایمانی تقویت کا باعث ہے۔ یہود و نصاریٰ کی گمراہی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے انبیاء کرام کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا لیا تھا۔ شرک فی الذات جیسے گناہ کبیرہ کی وجہ سے یہ قومیں گمراہ ہو گئیں۔ لیکن اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس اعتراف کے باوجود کہ رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے مخلوق میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کی گرد راہ کو بھی نہیں پا سکا، لیکن پھر بھی وہ ان عوارض کا شکار ہوئے جن سے عام لوگوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس حدیث میں اہل ایمان کے لئے نصیحت آموزی کا یہ پہلو کسی طور فائدے سے خالی نہیں ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح آپ ﷺ کی شخصیت میں غلو کر کے ان کو مقام الوہیت پر فائز کرنے کی جسارت نہ کریں ورنہ وہ بھی دوسری قوموں کی طرح گمراہی کا شکار ہو جائیں گے۔

اب ہم دوسرے اور اصل اعتراض کی طرف آتے ہیں کہ اگر نبی ﷺ پر جادو کی اثر پذیری کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے وحی میں اشتباہ و التباس لازم آتا ہے۔ یہ اعتراض بھی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا کیونکہ شارحین حدیث اور سیرت نگاروں نے دلائل کی روشنی میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ آپ ﷺ پر جادو کے یہ اثرات صرف دنیاوی معاملات تک محدود تھے، وحی یا دعوت دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس نقطہ نظر کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے: